فضول خرچی

تحریر: جناب غلام سرور قریشی عباس پورہ جہلم

موجودہ اور اس سے پہلے گزرنے والے تمام ادوار میں معاش انسان کا بڑا مسئلہ رہا ہے۔ہم نے اپنی بساط کے مطابق جس قدر قدیم و جدید کتب تک رسائی پائی اور ان کا کلی یا جزوی مطالعہ کیا، ان میں ضرور کسی نہ کسی شکل میں افلاس و ناداری کا ذکر پایا۔ دانش قدیم و جدید کے خزائن جو سنہری اقوال و تلمیحات کے قالب میں ڈھل کر زبان زد خلائق ہوئے، ان میں اکثر و بیشتر کا تعلق معاش سے ہے۔ غالب کا یہ شعر بھی مسئلہ معاش کی سنگینی کا مظہر ہے۔

تنگدستی گر نہ ہو غالب　　　تندرستی ہزار نعمت ہے۔

تندرستی جو دیگر تمام انعامات الٰہیہ میں لذت پیدا کرتی ہے، اس کا مزہ تنگدستی سے جاتا رہتا ہے۔

میں نے غور کر کے دیکھا ہے اور بہت سے افلاس زدہ گھرانوں کے اندرونی حالات کا نہایت قریب سے مشاہدہ کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ غربت میں دیگر اسباب کے علاوہ فضول خرچی کا بڑا دخل رہا ہے۔ مجھے یہ تو تسلیم ہے کہ فضول خرچی جبھی ہوگی کہ پہلے خرچ کرنے کو کچھ موجود ہو۔ اور جہاں سرے سے کچھ موجود ہی نہ ہو وہاں فضول خرچی کا کیا دخل؟ لیکن یہ امر بھی خلاف واقعہ نہیں ہے کہ اکثر صورتوں میں فضول خرچی ہی کی وجہ سے افلاس کی وہ شکل بنتی ہے کہ سرے سے کچھ باقی ہی نہ رہے۔

''مترفین'' کا معاملہ الگ ہے۔ وہ ایک جدا طبقہ ہے۔ میرے پیش نظر متوسط الحال لوگوں اور گھرانوں کا مسئلہ ہے۔ اور یہی وہ طبقہ ہے جو فضول خرچی کے مرض میں مبتلا ہوتا ہے۔ عام مشاہدہ ہے کہ رسومات کی بجا آوری کی مجبوری لوگوں سے فضول خرچی کرواتی ہے۔ برادری میں ناک کا مسئلہ معاشرتی زندگی میں فضول خرچی کا باعث بنتا ہے۔ پیدائش، اموات، شادی بیاہ یہ تین مواقع حیات انسانی کے قدرتی لوازمات ہیں۔ ان سے کوئی بھی انسان، کنبہ اور گھرانہ اپنا دامن نہیں چھڑا سکتا۔ اور یہی تین مواقع فضول خرچی کے ہیں۔

اسلام نے ''تبذیر'' کو کار شیطان اور ''مبذرین'' کو شیطان کا بھائی کہا ہے۔ اس میں ان کی حکمت یہ ہوتی ہے کہ ان کی قائم کردہ گندی رسومات کی بجا آوری عوام اپنے اوپر لازم کر لیں گے اور جب ان کے مالی وسائل اس کی اجازت نہ دیں گے تو ان سے قرض لیکر انھیں بنائیں گے اور مستقل طور پر ان کی معاشی غلامی میں آجائیں گے اور ان کی دولت خود بخود ان کی تجوریوں میں آجائے گی۔ اللہ باری تعالیٰ علیم و حکیم ہیں۔ انھوں نے ان تین مواقع کو اتنا آسان کر دیا ہے کہ اگر

انسان چاہے تو ان پر اٹھنے والے اخراجات نہایت آسانی سے اٹھا سکتا ہے۔ بچے کی پیدائش اب تو بہت خرچ طلب مسئلہ ہے۔ مثلاً ڈلیوری یعنی وضع حمل لازماً ہسپتالوں میں ہوتی ہے۔ ہم یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ جہاں ضرورت ہو وہاں ضرور یہ تقاضا پورا کرنا چاہیے۔ مگر اسے ضرورت کے تابع رکھنا چاہیے، فیشن نہ بنالینا چاہیے۔ زچہ بچہ کی صحت وسلامتی کو اولین اہمیت دینا واجب ہے مگر جب یہ رواج نہ تھا تو بھی بچے پیدا ہوتے تھے۔ رہا یہ کہ وضع حمل کے دوران مائیں مرجاتی تھیں تو کیا اب نہیں مرتی ہیں؟ دایہ گری پہلے بھی تھی اور اب بھی ہے۔ بچے اور مائیں پہلے بھی مرتے تھے اور اب بھی مرتے ہیں اور بڑے بڑے ہسپتالوں میں مرتے ہیں۔ لہذا لوگوں کو چاہیے اسے فیشن نہ بنالیں۔ ہاں ضرورت کو ملحوظ خاطر رکھیں اور اپنا روپیہ برباد نہ کریں۔ بچے کے کان میں اذان واقامت کہنا اسلام کا حکم ہے۔ اس پر کوئی خرچ نہیں آتا۔ ساتویں دن سر کے بال اتروانا اور ان کے ہم وزن چاندی صدقہ کرنا نادار سے نادار شخص پر بھی بھاری نہیں اور اگر اتنی بھی توفیق نہ ہو تو یہ فرض نہیں کہ اس کے ترک سے گناہ ہوتا ہو۔ نام رکھنا انمول ہے زچہ کی خوراک پر اٹھنے والے اخراجات سارے کے سارے چند سو روپے میں نپٹ سکتے ہیں۔ پر معلوم رہے کہ زیادہ مرغن اغذیہ کا استعمال بچہ کے پیٹ میں گردانی پیدا کرتا ہے۔ لہذا زچہ کی خوراک سادہ ہونا، بچہ کی صحت کیلئے مفید ہے۔

حفظان صحت کی خاطر دو چار ٹکیہ صابن اور ڈیٹول پر کیا خرچ آتا ہے۔ رہا عقیقہ تو یہ بھی مشروط بہ استطاعت ہے۔ نومولود لڑکا ہو تو ختنہ کتنے خرچ کا طالب ہے؟ سرکاری ہسپتالوں میں مفت ہو جاتا ہے۔ ورنہ محلے کے حجام یہ کام بہت تھوڑی اجرت پر کر دیتے ہیں۔ قماط یعنی پوتڑے بنانے کیلئے دو چار گز کپڑا کفایت کر سکتا ہے۔ اور یہ اخراجات اوسط درجے کے کسی بھی کنبہ کیلئے گراں نہیں ہیں۔ اب اگر کوئی اسی پر مصر ہو کہ ڈلیوری ہسپتال میں ہونا فیشن ہے اور دس بارہ ہزار فیس دے ڈالے بچے کو ماں کا دودھ پلانا فیشن کے مطابق نہیں اور بازاری دودھ پر بھاری خرچ کرے۔ پوتڑوں کیلئے پمپرز استعمال کرے۔ فیڈرز برتے۔ نومولود جو ابھی گود میں ہے، اسے ضرور ہی باٹا کے بوٹ پہنا دے اور نانی دادی اسے سونے کے زیورات اور خالائیں سونے کی مالائیں پہنائیں۔ گانے بجانے کیلئے ہیجڑے طلب کرنا۔ لڈو بانٹنا اور اسی قسم کے دیگر اخراجات اپنا لے تو اس کی مرضی۔ اسلام تو کسی ایسے خرچ کا طالب نہیں جس سے کسی کے ماہانہ یا سالانہ بجٹ پر کوئی منفی اثر پڑے۔ اسلام دین فطرت ہے اور کسی بھی غیر فطری کام کا حکم نہیں دیتا۔ لوگ خود ہی غیر فطری کام کرتے اور اپنے لئے عذاب پیدا کرتے ہیں۔

اسی طرح موت کی گھڑی ہے۔ کفن دفن پر کہاں خرچ آتا ہے۔ دیہات میں تو اب بھی لوگ قبر خود کھود لیتے ہیں۔ کوئی بھی درمیانے درجے کا آدمی کفن خرید سکتا ہے۔ غسل کا پانی مفت۔ دس بیس روپے صابن یا کافور پر اٹھ جائیں گے۔

بیری کے پتے انمول۔ جنازہ مفت میں پڑھا جاتا ہے۔ تین دن کا سوگ اور روٹی محلہ والوں کے ذمہ! بس اسلام اسی قدر خرچ بتاتا ہے۔ اب اگر کوئی دیگیں پکا کر لوگوں کو کھلانا شروع کر دے تو اس کی اپنی مرضی ہے۔ قل، تیجا، ساتواں، چالیسواں شروع کر دے تو اس کا وبال اس پر اور برادری شریکے میں اپنی ناک اونچی رکھنے کیلئے اپنے اموال برباد کرنا شروع کر دے تو اس کا وبال اس پر۔ وہاں مردہ کو ایصال ثواب تو خوب قرآن پڑھو اور اپنے مرحومین کو ثواب بھیجو۔ مغفرت طلب کرو۔ اس پر کیا خرچ آتا ہے۔ اور یہ کام خود کرو۔

شادی پر لوگوں نے جو جو رسومات اختیار کر لی ہیں ان کو نبانا مشکل ہو جاتا ہے۔ تو قرض اٹھایا جاتا ہے۔ منگنی، مہندی، سہرے گانے، بینڈ باجے اور شادی گھروں میں ضیافتیں اور دیگر سینکڑوں رسومات وبال جان بن گئی ہیں۔ جتنا روپیہ موجود ہوتا ہے وہ ناکافی ہو جاتا ہے تو قرض اٹھائے جاتے ہیں جائیدادیں گروی رکھی یا فروخت کی جاتی ہیں۔ یہ تمام غیر اسلامی کام کر لینے کے بعد ولیمہ اور مہر کو اسلامی قرار دیا جاتا ہے حالانکہ فضول خرچی کی اس ساری شیطانی کاروائی میں اسلام کا کیا دخل ہے۔ جہیز کو اسلام کا حکم ٹھہرانے کیلئے سیدۃ فاطمہؓ کے جہیز سے دلیل پکڑی جاتی ہے۔ حالانکہ یہ سراسر الزام ہے۔ اور اگر کھینچ تان کر کسی طرح یہ ثابت کر ہی لیا جائے۔ کہ واقعی حضور اقدس ؐ نے انھیں کوئی جہیز دیا ہی تھا تو بھی اس جہیز کی موجودہ و مروجہ مبذرانہ صورت کا جواز نہیں ملتا۔

دراصل لوگوں نے اپنی جان پر آپ وبال مسلط کر لئے ہیں۔ اب ہم ''مترفین'' کو لیتے ہیں۔ یہ مالدار لوگ ہوتے ہیں۔ یہ طبقہ بڑا ہوشیار اور مفاد پرست ہوتا ہے۔ یہ اپنے روپے کے بل بوتے پر پیدائش، اموات اور شادی بیاہ ہر غلط رسومات قائم کرتا ہے۔ ان رسومات کے قیام ورواج میں ان کی شاطرانہ دوررس فکر ہوتی ہے۔ مثلاً دولت مند بزاز، دولت مند صراف اور دولت مند سود خور یہ جانتا ہے کہ ان کی دیکھا دیکھی لوگوں کی اکثریت ان کی قائم کردہ رسومات قبیحہ کو اپنا لے گی اور یوں اپنے اموال ان میں برباد کرے گی تو ان کا روپیہ ان کی تجوریوں میں آجائے گا۔ لہذا مترفین تبذیر کے ذریعے سوسائٹی میں ایک گونہ سرمایہ کاری کرتے ہیں۔ مثلاً صراف جانتا ہے کہ شادی پر جو بھاری زیورات وملبوسات اس نے اپنی بہو کو پہنائے ہیں

دوسرے لوگ چاہیں گے کہ وہ بھی اپنی بہو بیٹی کو اسی طرح ان زیورات وملبوسات سے لاد دیں اور ان کی اس خواہش کی تکمیل پر جو روپیہ خرچ ہوگا۔ وہ کسی نہ کسی طرح اس کی تجوری میں آجائے گا۔ اسی لئے قرآن میں ارشاد ہوتا ہے کہ مترفین کی شرارتیں عذاب الٰہیہ کا موجب بن جاتی ہیں۔ بڑے مترفین کتے پالتے اور انھیں دودھ پلاتے ہیں۔ ان کے پاس کئی کئی گائیں اور

بھینسیں ہوتی ہیں۔ان کی دیکھا دیکھی غرباء بھی اس شوق میں لگ جاتے ہیں اور گھر میں اگر دودھ کا کوئی ذریعہ ہوتو وہ بچوں کے منہ سے چھین کر کتوں کو پلا دیتے ہیں۔گاؤں کے مترفین شادی بیاہ پر طوائف کا مجرا ضرور کراتے ہیں اور دور دور سے طبلہ نوازی کیلئے کلال اور دلال ان کے ساتھ آتے ہیں۔اس میں ان کی چال یہ ہوتی ہے۔کہ ان کے کمین اور گاؤں کے چھوٹے مالکان اراضی پر اس کے اثرات رہ جائیں گے اور جب کبھی ان پر شادی بیاہ کے موقع آئیں گے تو وہ بھی ضرور ایسا کرنا چاہیں گے مگر ان کی مالی حالت اتنے بھاری اخراجات کی متحمل نہ ہوگی تو وہ یقیناً ان سے قرض وام حاصل کریں گے اور یوں مزید تنگدستی کے دلدل میں دھنس جائیں گے اور ان کی غلامی و چاکری کرتے رہیں گے یا اراضی رہن رکھیں یا بیچ کردیں گے اور ان کی زمین سوائے ان کے اور کون خرید سکتا ہے۔

ایک اور چالاکی یہ کی جاتی ہے کہ شیطان کے یہ بھائی جو کہ دولت مند بھی ہوتے ہیں،اس لئے لوگ ان کو قدرتی طور پر اپنا بڑا اور لیڈر مان لیتے ہیں۔پھر یہ اپنے گرویدہ لوگوں کو چھوٹے چھوٹے تنازعات میں ایک دوسرے کے خلاف صف آرا کر دیتے ہیں۔چھوٹے لوگ،چھوٹے دماغ! آخر کار یہ باہم جنگ و جدال پر اتر آتے ہیں اور تھانے تحصیل تک پہنچ جاتے ہیں۔دونوں متحارب گروہوں کی پیٹھ ٹھونکنے کیلئے مترفین موجود ہوتے ہیں۔اور قرض سے ان کا حوصلہ بڑھاتے ہیں۔اول یہ لوگ سزائیں بھگتنے کو جیل کی ہوا کھاتے ہیں۔اور جب واپس آتے ہیں تو ان کا بال بال قرض میں بندھا ہوتا ہے جس سے جان چھڑانے کیلئے اپنی اراضی انھیں شیاطین کے ہاتھوں بیچ کر خود انھی زمینوں پر مزارع ہوکر رہ جاتے ہیں۔جن کے کبھی خود مالک تھے مگر سادہ لوح عوام اس شیطانی چکر کو سمجھ نہیں پاتے اور فضول خرچی کی وجہ سے ان کی جائیدادیں مترفین کے قبضہ میں جاتی رہتی ہیں۔

حال ہی میں شادی ہال کے مالکان نے سپریم کورٹ میں یہ مقدمہ لڑا مگر ہارا ہے کہ ولیمہ مسنون ہے اس لئے حکومت اس کی تحدید نہیں کرسکتی۔کوئی پوچھے،کوئی ولیمہ کرے یا نہ کرے،ان مالکان شادی ہال کو کیوں مروڑ اٹھتے ہیں۔یہ مالکان چونکہ مترفین ہیں اس لئے چاہتے ہیں کہ لوگ ولیمہ کے واسطے ان کے ہال بک کرواتے رہیں اور وہ ان کی رگوں کا خون چوستے رہیں۔ہمیں یہاں ولیمہ کی سنت پر بحث مطلوب نہ ہے۔صرف دلیل کے طور پر یہ حوالہ دیا ہے کہ الف اپنے بیٹے کی شادی پر ولیمہ گھر میں کرے یا کسی میدان میں۔ب کو کیا پڑی ہے کہ وہ یہ مقدمہ عدالت میں لے جائے۔ہمیں افسوس ہے کہ ان کی حمایت میں علمائے اسلام نے فتاویٰ بھی جاری کئے اور شہادت دینے کو ان کے ساتھ عدالت میں پہنچ گئے۔یہ مترفین کی وہی چال ہے جس کا ذکر ہم پیچھے کر آئے ہیں کہ وہ معاشرہ میں تبذیر کا دائرہ وسیع کرنے کیلئے سرمایہ کاری کرتے ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے ''جس نے کفایت شعاری کی وہ کبھی کنگال نہ ہوگا''۔ یہ درست ہے کہ ہمارے ہاں غربت موجود ہے مگر اس غربت کی تہہ میں کافی حد تک فضول خرچی کارفرما ہے۔ اور اس کا سب سے بڑا اثر متوسط الحال گھرانوں پر پڑتا ہے۔ مترفین تو تبذیر کو رواج دیتے ہیں۔ بے حیا گداگری کو پیشہ بنا لیتے ہیں اور سفید پوش شرفا پستے ہیں۔ کفایت شعاری کی کنجی خواتین کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔ سلیقہ مند کفایت شعار خواتین خانہ تھوڑی آمدنی میں کفایت کے ہنر سے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دے ڈالتی ہیں۔ ہمارے ساتھ ایک مدرس تھے۔ اب وہ فوت ہو گئے ہیں وہ ایس۔ وی ٹیچر تھے۔ اور مدرسین کے طبقہ میں کم تنخواہ پانے والے تھے۔ کثیر العیال تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے انھیں کفایت شعار بیوی عطا کی تھی۔ یہ نیک بی بی خود سلائی کرتی تھی۔ سب بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلائی۔ ایک ڈاکٹر بنا، دوسرا انجینئر ہوا، تیسرا بنک آفیسر بن گیا۔ اسی پر موقوف نہیں بلکہ شہر میں تین مکان بنا ڈالے۔ بیٹوں کو بھی اچھی تعلیم دلائی سب بچوں کی شادیاں کیں۔ کبھی قرض نہ اٹھایا۔ اور ہر لحاظ سے سرخرو ہو کر اس جہاں سے رخصت ہوئے۔ گھر میں نماز روزہ تلاوت قرآن کا چرچا رہتا اور لطف یہ کہ بخل سے دور رہے اور دوست احباب کی دعوتیں بھی کرتے رہے۔ انفاق فی سبیل اللہ میں بھی دست دراز رکھتے مگر فضول خرچی نہ کرتے۔ اللہ انھیں مغفرت کرے۔ ان کی بی بی الحمد اللہ زندہ ہیں اور خوش حال ہیں۔

پس ہم اپنے قارئین سے استدعا کریں گے کہ وہ کفایت شعاری کو اپنائیں۔ اگر وہ اپنا روپیہ مثبت امور پر خرچ کریں گے تو اللہ تعالیٰ برکت دیں گے اور تھوڑا بھی بہتا ہو جائے گا۔ فضول خرچی شیطانی عمل ہے اور جہاں شیطان کی کارفرمائی ہوگی وہاں برکت نہ ہوگی۔ شیطان ہمیں غربت اور فقر کے دلدل میں ڈالنا چاہتا ہے اور اس کیلئے وہ فضول خرچی کراتا ہے کفایت شعاری دراصل سلیقہ مندی ہے۔ جو میسر ہے اسے دانش مندی سے کام میں لائیں اور شکر بجا لائیں اور آپ کو معلوم ہے شکر باری تعالیٰ کا باعث ہے۔ گھر میں نماز روزے اور تلاوت قرآن کا دور دورہ رکھیں اور دیکھیں کس طرح آسمان سے برکتیں آپ کے آنگن میں اترتی ہیں۔ اللہ بس باقی ہوس۔

جامع مسجد بلال اہلحدیث شمالی محلّہ میں تبلیغی پروگرام

مورخہ 25 مئی بروز بدھ بعد از نماز عشاء جامع مسجد بلال اہل حدیث شمالی محلّہ میں تبلیغی پروگرام زیر نگرانی حاجی سیٹھی محمد ارشد صاحب ہوا۔ اس پروگرام میں مولانا محمد یوسف راشد صاحب خطیب گوجرانوالہ نے فکر آخرت کے موضوع پر خطاب کیا۔ اس پروگرام کے مہمان خصوصی حاجی محمود مرزا جہلمی تھے۔